عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ
غزالی

جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ / فروری ۲۰۱۸ء

Reg No. P476

جلد: شش دهم

شمارہ: ۲

فہرست

فی شمارہ : 20/- روپے

سالانہ بدل اشتراک : 250/- روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

تمام گزشتہ شمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

نبیِّ رحمت ﷺ

(حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ انتخاب: قاضی محمد طلال سلجوقی ایڈووکیٹ)

(حضرت مولانا رحمہ اللہ کا یہ مقالہ "نقوش" لاہور کے "رسول نمبر" جلد سوم بابت ماہ جنوری ۱۹۸۳ء سے لیا گیا ہے۔ اسی نمبر کی جلد چہارم میں دوسرا مقالہ بعنوان "رسول اللہ ﷺ کے عہد کا اقتصادی اور معاشی نظام" بھی نشر ہوا)

نبوت سراسر رحمت ہے، ہر نبی رحمت بن کر آیا، چنانچہ آیت:

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (البقرہ: ۱۰۵)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ خاص کرتا ہے اپنی رحمت (نبوت) سے جس کو چاہتا ہے۔

کی یہی مراد ہے، لیکن وہ ذاتِ پاک جسے اللہ تعالیٰ نے "رحمۃ للعلمین" کے نام سے نوازا، وہ صرف ہمارے آقا و مولا، حبیبِ خدا حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔

قولِ خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیآء: ۱۰۷)

ترجمہ: ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

آپ ﷺ کی رحمت زمان و مکان (سارے زمانے اور سارے عالم) کی وسعتوں پر چھائی ہوئی اور ازل و ابد پر محیط ہے۔ آپ ﷺ کا ہر قول و فعل، ہر ارادہ و عمل، ہر حرکت و سکون، ہر تکلم و سکوت، ہر نظریہ و فکر، غرض زندگی کا ہر جز و کل رحمت ہی رحمت ہے۔ نہ صرف آپ ﷺ کی ذات بابرکات ہی سراپا رحمت ہے بلکہ آپ ﷺ کا دیا ہوا صحیفۂ الٰہی (قرآن)، آپ ﷺ کا پہنچایا ہوا دین، آپ ﷺ کی لائی ہوئی عبادت، آپ ﷺ کی شریعت اور اس کا ایک ایک حکم، آپ ﷺ کا پیش کردہ طرزِ ماند و بود (رہن سہن)، نظامہائے معیشت و معاشیات و سیاسیات، عدل و معاشرت اور انسان کے جملہ طبقات اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں ہدایات سب نری رحمت ہی ہیں۔ صحیفۂ اسلام کے بارے میں قرآن

خود گویا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرآء یل: ۸۲)

ترجمہ: اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں شفاء اور رحمت ہیں۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (النحل: ۸۹)

ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ پر قرآن اتارا ہے کہ تمام (دین کی) باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور (خاص) مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور بڑی خوشخبری سنانے والا ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پیام میں سب سے پہلی بات جس کی طرف دعوت دی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہوتی ہیں، اس لئے تصورِ الٰہی اور صفاتِ خداوندی، مذہبی نقطۂ نظر سے نہایت ہی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ مصرِ قدیم نے خدا کی ذات کو نو کروڑ خداؤں میں تقسیم کر دیا۔ ہندوؤں نے خدا کی صفات کو لاکھوں دیوتاؤں میں بانٹ دیا۔ یونانِ قدیم مختلف پہاڑوں پر اپنے مختلف دیوتاؤں اور خداؤں کی جلوہ سامانیاں دیکھتا رہا۔ بدھ کی تعلیمات خدا کے ذکر سے ساکت ہیں۔ زرتشت کو آگ میں یزداں (نیکی والا خدا) کا جلوہ دکھائی دیا اور سلبی صفات (Negative things) اہرمن کے حوالے کردی گئیں۔ یہودی صحیفے اور موجودہ تورات عموماً اللہ تعالیٰ کی صفات کے تذکرہ سے خالی ہیں۔ یہود کے ہاں اللہ کا خصوصی نام "یہودا" اور عام نام "الوہیم" ہے، لیکن صفات میں اگر کسی صفت کا ذکر ہوتا ہے تو وہ جلال کا مظہر "فوجوں والا خداوند" ہے۔ موجودہ عیسائیت خدائی صفات کو "اقانیم ثلاثہ" کے فلسفہ کے عقدۂ لاینحل میں گم کر بیٹھی، خدا کو "باپ" کا نام دے کر مادی صفات سے تنزیہ خداوندی کو آلودہ کر دیا گیا۔ (یعنی خدا تعالیٰ کو عام انسانوں کی طرح بنا کر دکھایا گیا)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پہاڑی والا وعظ بے شک محبت و پیار کا پیام ہے لیکن اس وعظ کو اگر عیسیٰ علیہ السلام کے قول پر پرکھا جائے کہ "جیسے درخت پھل سے پہچانا جاتا ہے، انسان عمل سے پہچانا جاتا ہے" عیسائیوں کا عمل ثابت کرتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی وہ تعلیم کوہِ زیتون کی فضاؤں میں تحلیل ہو کر رہ گئی۔

اب آیئے اس پیغمبر (روحی فداہٗ) صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

آخری وصیت اور تورات کے آخری کلمات اور پیش گوئی کے مطابق کوہِ فاران پر دس ہزار قدوسیوں [(۱)] کے ساتھ آیا اور جس کے منہ میں خداوند نے اپنا کلام ڈالا اور جو کچھ خدا نے اس سے کہا وہ سب اس نے لوگوں سے کہا [(۲)] اور وہ رسول ﷺ جس کا وعدہ عیسیٰ علیہ السلام کر گئے تھے، کہ وہ سچائی کی روح آئے گی، اور وہ تمھیں ساری سچائی کی بات بتائے گی، اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی، لیکن جو کچھ وہ سنے گی، سو کہے گی۔'' (انجیل یوحنا۔باب۱۶:۷)

وہ بشارت عیسوی کے مطابق احمد (فارقلیط) یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی سب سے زیادہ حمدوثنا کرنے والا آیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمانیت ورحیمی، ربوبیت وکریمی، ستاری وغفّاری کے نغموں کے ساتھ آیا اور اللہ تعالیٰ کے جود وسخا، بخشش وعطا، غفران ونعما سے عالم پرشور تھا، اس کا پیام سراپا محبت، شفقت اور رحمت تھا، آپؐ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمدوستائش، تنزیہہ وتقدیس، جودونوال، جمال وکمال وصفات وشئون کی رنگارنگی اور بے چونی وبے چگونی کی تعلیمات سے معرفت ربّانی وعرفان الٰہی کے تو برتو پردوں کو یکسر چاک کردیا اور باری تعالیٰکی صفات عالیہ اپنی پوری جلوہ سامانیوں، جمال آرائیوں، حسن وجمال کی تابانیوں اور محبت ولطف، عطاودہش کی ارزانیوں کے ساتھ مخلوق سے روشناس

---

(۱) عہدنامہ قدیم استثناء۔۳۳:۱،۲،۳ میں ہے: ''یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مردِخدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خدا سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا، اور فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا، دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی، ہاں وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ اس کے سارے مقدس ہمراہی تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں، اور تیری باتوں کو مانیں گے۔'' اس پیش گوئی کا تذکرہ قرآنِ کریم کی آیت میں یوں ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ (الفتح: ۲۹)

(۲) میں ان کے لئے اُن کے بھائیوں میں تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اس سے کہوں گا، وہ سب اُن سے کہے گا۔'' (استثناء۱۸/۱۷ا، ۱۹)

کرادیا، جس کا عشرِ عشیر (One tenth) تو کیا اقلِ قلیل (Minimum) بھی دوسرے مذاہب وادیان کی تاریخ میں نہیں ملتا، رحمۃ للعٰلمین صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کی جو پردہ کشائی اور مستورِ ازل کی جو رونمائی فرمائی، اس میں خالق کائنات کی ذات عالی کسی ظالم و جابر، حاکم و مالک کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ حسن و جمال، جود و نوال (سخاوت اور بخشش)، لطف وعطا، عفو و درگذر، رحم وکرم کا سراپا، اپنی عزت وجلال اور کبریائی وکمال کے ہالہ میں پرتو فگن ہے، جس کا مقصد ہی نوازش و بخشش ہے اور جو پیہم پکار رہا ہے۔ ؎

من نه کردم خلق تاسودے کنم

بلکه تا بر بندگان جودے کنم

ترجمہ: میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ ان سے فائدہ اٹھاؤں بلکہ میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ ان پر سخاوت کروں۔

چنانچہ گو اللہ کے لئے جملہ اچھے نام وصفات ہیں۔ لیکن عَلَم کے طور پر جو نام اسلام نے چُنے وہ ''اللہ'' اس کے بعد ''رحمٰن'' کا نام ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل: ۱۱۱)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیجئے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکاروگے، پس اُسی کے واسطے بہت اچھے نام ہیں۔''

اللہ کا معنیٰ عربی لغت کے لحاظ سے دلوں کے اس محبوب اور پیارے کے ہیں جو قلوب کو موہ لے اور جس کی محبت میں لوگ حیراں وسرگرداں ہوں۔ گویا ''اسلام کا خدا'' نرا محبت ہی محبت اور پیار ہی پیار ہے۔ قرآن کریم میں اللہ کا لفظ ۲۶۹۷ مقامات پر آیا ہے، گویا رحمت و پیار کے اس جامع و مانع لفظ سے قرآن کا صفحہ صفحہ روشن ہے۔ الرحمٰن دوسرا اسمِ عَلَم ہے۔ جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم میں ۱۱۴ بار ویسے ۵۵ بار قرآن کی زینت بنا ہے۔ الرحمٰن کا معنیٰ نہایت مہر ورحمت اور رحم کرنے والے کے ہیں۔ اس سے ملتا جلتا دوسرا نام الرّحیم ہے، جس کا معنی بار بار اور بہت ہی رحم کرنے والے کے ہیں۔ تسمیہ کے علاوہ

یہ نام قرآن کریم میں ۹۳ بار آیا ہے۔ خیال رہے کہ محققین کے نزدیک ''رحمٰن ورحیم'' دونوں الفاظ رحمت سے مشتق ہیں، اور رحمت اس جذبہ و نرمی کو کہتے ہیں، جس سے کسی دوسری ہستی کے ساتھ محبت و شفقت، لطف و احسان اور فضل و کرم کرنے کا داعیہ غالب آجائے۔ مشہور عالم و بزرگ ابن مبارک کا قول ہے کہ ''رحمان وہ ذات ہے کہ جب اس سے مانگا جائے تو عطا فرمائے اور رحیم وہ ذات ہے کہ اس سے مانگا نہ جائے، تو غضب میں آئے۔''

چوتھا نام جس سے صحیفۂ الٰہیہ سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک منور ہے، الرّب ہے، جو مختلف اضافتوں کے ساتھ قرآن کریم میں ۹۰۲ بار آیا ہے۔ الرّب پرورش کرنے والی وہ ذات ہے جو عدم سے وجود میں لا کر ہستی کے جملہ مراحل اور ابد الآباد تک موجودات کے وجود و پرورش کی ذمہ دار ہو۔ عیسائیت ربّ کو ''اب'' جیسا مادی نام دیکر فخر کرتی ہے، لیکن اب (باپ) کا تعلق اولاد سے ایک حادثہ کا نتیجہ ہے، ''باپ'' پیدائش و پرورش کے تمام مراحل میں مجبور و معذور ہے، لیکن ''رب'' کا تعلق پلنے والے کے ساتھ عدم و عالمِ ارواح سے لے کر پیدائش اور موت اور ابد الآباد تک محیط ہے، اور وہ اس پرورش پر مجبور نہیں بلکہ اپنے لطف و رحمت اور شانِ ربوبیت کی وجہ سے پالتا ہے، یہ تعلق ہمہ گیر، ازلی اور ابدی ہے۔

نبی الرحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیفۂ آسمانی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رحمت و شفقت، محبت و احسان سے بھرپور ناموں سے منور ہے۔ تفصیل کا موقع نہیں ورنہ بتایا جاتا کہ رحمت مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی جن صفات کو کھولا وہ اکثر رحمت و محبت، شفقت و کرم ہی سے عبارت ہیں، اور جہاں ''تدبیر و انتظام'' اور ''جلال و کمال'' کی حکمت کی وجہ سے سزا اور وعید کا تذکرہ آیا ہے وہ بھی رأفت و رحمت و عطا و بخشش وغیرہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام لیتا ہے۔ لیکن عذاب و انتقام کے لئے اکثر اضافت کے ساتھ اپنی نسبت کرتا ہے، مثلاً:

اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیۡعُ الۡعِقَابِ وَاِنَّہٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (الاعراف:۱۶۷)

''بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب واقعی (جب چاہے) جلدی ہی سزا دیتا ہے اور بلاشبہ وہ غفور (بڑی مغفرت والا) اور رحیم (بڑی رحمت والا) ہے، مہربانی کرنے والا (بھی) ہے۔''

اِنَّ رَبَّکَ سَرِیۡعُ الۡعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (الانعام:۱۶۵)

”بالیقین آپ کا رب جلد سزا دینے والا (بھی) ہے اور بالیقین وہ واقعی (غفور) بڑی مغفرت کرنے والا (رحیم) مہربانی کرنے والا (بھی) ہے۔“

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (المائدہ:۹۸)

”تم یقین جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ (غفور) بڑے مغفرت والے اور (رحیم) بڑی رحمت والے بھی ہیں۔“

نَبِّئۡ عِبَادِیۡۤ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ .وَاَنَّ عَذَابِیۡ هُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِیۡمُ (الحجر:۴۹،۵۰)

”اے محمد! آپ (ﷺ) میرے بندوں کو اطلاع دے دیجئے کہ میں بڑا مغفرت (غفور) اور رحمت والا (رحیم) بھی ہوں اور (نیز) یہ کہ میری سزا دردناک سزا ہے۔“

وَاللّٰهُ عَزِیۡزٌ ذُوانۡتِقَامٍ (المائدہ:۹۵)

”اور اللہ تعالیٰ عزیز یعنی زبردست ہیں، انتقام لے سکتے ہیں“

غرض نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار رحمت ہی رحمت ہے۔قرآن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بارے میں بار بار آتا ہے:

کَتَبَ رَبُّکُمۡ عَلٰی نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ (الانعام:۵۴)

”تمہارے رب نے رحمت فرمانا اپنے ذمہ مقرر کرلیا ہے“

وَرَبُّکَ الۡغَنِیُّ ذُوالرَّحۡمَةِ (الانعام:۱۳۴)

”اور آپ ﷺ کا رب بالکل غنی ہے، رحمت والا ہے“

فَقُلۡ رَّبُّکُمۡ ذُوۡرَحۡمَةٍ وَّاسِعَةٍ (الانعام:۱۴۷)

”تو آپ ﷺ فرما دیجئے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے“

وَرَبُّکَ الۡغَفُوۡرُ ذُوالرَّحۡمَةِ (الکہف:۵۸)

”اور آپ ﷺ کا رب بڑا مغفرت کرنے والا (اور) بڑا رحمت والا ہے“

اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔ارشاد ربانی ہے:

رَحْمَتِیْ وَ سِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (الاعراف:۱۵۶)

''اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہو رہی ہے''

رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (المؤمن:۷)

''اے ہمارے پروردگار! آپ کی رحمت (عامہ) اور علم ہر چیز کو شامل ہے''

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فیضان کو کوئی روک نہیں سکتا۔

مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِکَ لَهَا (فاطر:۲)

''اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے، سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں''

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا گمراہی اور کفر ہے۔

قَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (الحجر:۵۶)

''ابراہیمؑ نے فرمایا کہ بھلا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے بجز گمراہ لوگوں کے''

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دئے ہوئے صحیفۂ آسمانی میں اللہ تعالیٰ اپنے گناہگار بندوں کو محبت و پیار سے اپنا بندہ کہہ کر پکارتا ہے اور کیا نوید جاں فزا سناتا ہے!

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (الزمر:۵۳)

''آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے (کفر و شرک کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں، کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو، بالیقین خدا تعالیٰ تمام (گزشتہ) گناہوں کو معاف کردے گا۔واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے''

اس آیت کا شانِ نزول بھی جو طبرانی نے نقل کیا ہے، رحمت مجسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و رأفت (مہربانی) اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت اور گناہگاروں کی رعایت و ناز برداری کا اچھوتا

(انوکھا) نمونہ ہے۔

بدر کے ہیرو، عمِ رسول ﷺ سیدالشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی ابن حرب تھے، جنھوں نے چھپ کر وار کر کے اللہ کے اس شیر کو شہید کر دیا تھا، اور پھر جس بے دردی سے ان کے ناک کان کاٹے گئے اور دل کو نکال کر چبایا گیا، تاریخ کا ایک روح فرسا (روح تباہ کرنے والا) واقعہ ہے، جس کا اثر آخر تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر رہا، لیکن یہ جذبۂ دعوت وشفقت تھا، وحشی کو اسلام کا پیغام دے کر بھیجتے ہیں، وہ قرآن کریم کی آیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواباً کہلواتے ہیں:

یا محمد کیف تدعونی و انت تزعم ان من قتل او اشرک او زنی یلق اثاما، یضاعف له العذاب یوم القیامة و یخلد فیه مهانا. وانا صنعت ذلک فهل تجدلی من رخصة.

ترجمہ: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ﷺ مجھے اسلام کی دعوت کیسے دیتے ہیں، اور آپ ﷺ کا دعویٰ ہے کہ جس نے قتل کیا یا شرک کیا یا زنا کیا، وہ گناہ میں جا پڑا، اور قیامت میں اسے دونا عذاب ہوگا، اور اس میں خوار پڑا رہے گا، اور میں نے یہ تمام کام کئے ہیں، پس کیا میرے لئے کوئی چھٹکارا کی صورت آپ ﷺ پیدا کر سکتے ہیں۔

وحشی کے اس پیام پر رحمتِ حق جوش میں آتی ہے اور کیا عجیب استثناء کی آیت نازل ہوتی ہے:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (فرقان:۷۰)

"مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا، اور نیک عمل کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا، اور خدا بخشنے والا مہربان ہے"

وحشی رضی اللہ عنہ کہنے لگے، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ توبہ، ایمان اور عمل صالح کی شرط سخت ہے، شاید میں یہ پوری نہ کر سکوں۔ اس پر دوسری آیت نازل ہوئی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ (النّسآء:۴۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے،

اوراس کے سوااور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا، وہ گناہ بخش دیں گے“

وحشیؓ نے اب اور بات نکالی اور کہا:

”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس بات میں بھی مجھے مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع دکھائی دیتی ہے، پس میں نہیں جانتا کہ مجھے بھی بخشے گا یا نہیں، پس اس کے علاوہ کوئی بات ہوسکتی ہے؟“

اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نے یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الزمر: ۵۳)

”آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنھوں نے (کفروشرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو، بالیقین خدا تعالیٰ تمام (گزشتہ) گناہوں کو معاف فرمادے گا، واقعی وہ بڑا بخشنے والا، بڑی رحمت والا ہے“

وحشیؓ نے کہا اب بات درست ہوئی اور اسلام لے آئے۔ بعض لوگوں نے پوچھا، ہم بھی وحشی کی طرح ان باتوں کے مرتکب ہو چکے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، یہ حکم اور بشارت عام ہے۔

(مجمع الزوائد ص: ۱۰۰، جلد ۷۔ بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے ص: ۷۱۰، جلد ۲، بروایت ابن عباسؓ)

کیا رحمت کا ٹھکانہ ہے؟ ایک گناہگار کے کیا کیا ناز اٹھائے جاتے ہیں! اور رحمت نہ صرف گناہوں کو معاف کرنے کی بشارت دیتی ہے، بلکہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کرنے کا بھی اعلانِ عام کر دیتی ہے۔ کیا اس عفوِ عام اور رحمتِ بے پایاں کی نظیر کسی اور جگہ مل سکتی ہے؟ ابوسعید ابوالخیر رحمہ اللہ نے اس پیام کو کیا خوب الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔

باز آ باز آ هر آں چه هستی باز آ

گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

(باز آجاؤ باز آجاؤ جو کوئی بھی ہو باز آجاؤ

اگر کافر ہو، آتش پرست ہو یا بت پرست ہو باز آجاؤ)

این درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست

صد بار گر توبہ شکستی باز آ

(میرا یہ دربار ناامیدی کا دربار نہیں ہے سو بار توبہ توڑلو پھر بھی باز آجاؤ)

بخاری وغیرہ کی صحیح حدیثوں میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا کیا تو خود اپنے اوپر رحمت کی پابندی عائد کرلی اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے گناہگاروں اور سیہ کاروں کو بخشش ورحمت کا مژدہ (خوشخبری)، عفوعام کا اعلان بار بار سنوایا گیا، تفصیلات کا وقت نہیں، ایک حدیث پر اکتفا کرتا ہوں کہ:

''اے آدمؑ کے بیٹو! جب تک تم مجھے پکارتے رہوگے اور مجھ سے آس لگائے رہوگے، میں بخشتا رہوں گا، خواہ تم میں کتنے ہی عیوب کیوں نہ ہوں۔ مجھے پروانہیں۔ اے آدمؑ کے بیٹو! اگر تمہارے گناہ آسمان کے بادلوں تک بھی پہنچ جائیں، اور پھر تم مجھ سے معافی مانگو، میں تم کو معاف کردوں، خواہ تم میں کتنے ہی عیوب کیوں نہ ہوں، مجھے پروانہیں، اے آدمؑ کے بیٹو! اگر پوری سطح زمین بھی تمہارے گناہوں سے بھری ہو، پھر تم میرے پاس آؤ۔ اس حال میں کہ کسی کو میرا شریک نہ بناتے ہو، تو میں بھی تمہارے پاس پوری سطح زمین بھر مغفرت لے کر آؤں گا۔'' (جامع ترمذی ابواب الدعوات، جمع الفوائد ص:۲۰۷ جلد۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس رحمت بے پایاں کو صرف اپنی ذات تک محدود ہی نہیں رکھا، بلکہ اپنے بندوں اور خواص پر اس کا پرتو ڈال کر انہیں بھی بحد شرعی اور حسبِ استعداد وظرف اپنی رحمت کا مظہر بنایا، جس کا سب سے بڑا حصہ اس شاہکارِ خلق، زبدۂ نبوت، فخرِ کون ومکان، مقصودِ آفرینش، خاتم الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا، جنہیں خداوندِ قدوس نے خود تمام جہانوں کے لئے رحمت یعنی رحمۃ للعٰلمین کہہ کر پکارا اور اپنے اسماء خاصہ میں سے رأفت ورحمت سے بھرپور دوناموں سے اس کی ذاتِ عالی کو نواز دیا، اور ارشاد فرمایا:

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(التوبۃ:۱۲۸)

ترجمہ: لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں، اور مؤمنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

کیا احسانِ الٰہی ہے، اس کی ذات بھی رؤف و رحیم اور اس کا بندۂ خاص بھی اس کا مظہرِ اتم بن کر رؤف و رحیم۔ ؎

تو کریمی و رسولِؐ تو کریم

صد شکر کہ هستیم میانِ دو کریم

(آپ کریم ہیں آپ کے رسول ﷺ کریم ہیں....

سو بار شکر ہے کہ میں دو کریموں کے درمیان ہوں)

یہ نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور دنیا کو ایسا دین دے گئے جو ہر رنگ و صورت میں رحمت و رأفت کا شاہکار تھا، اپنے رسم و رواج کے نیچے دبی ہوئی دنیا کو ان نامناسب بوجھوں سے نجات دلائی۔ مذہب کے نام پر تجرد، ترک لذائذ اور ریاضات شاقہ، رہبانیت، ترک دنیا، نفس کشی اور ایذا رسائیٔ جسم کی جو صورتیں رائج تھیں، ان کو ایک ایک کر کے توڑا، اور سہولت و راحت، نرمی و اعتدال، دین و دنیا کی وحدت والا ایک ایسا روشن دین پیش کیا جس پر ہر طبقہ اور ہر قوم، ہر فرد خواہ عورت ہو یا مرد، ہر حال میں اور ہر وقت میں عمل پیرا ہو سکے، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کارنامہ کو قرآن نے ان الفاظ میں پیش فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: جو لوگ کہ ایسے رسول ﷺ نبی امی کا اتباع کرتے ہیں، جن کو وہ لوگ اپنے پاس

توراۃ وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ ہے کہ) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں، اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں، اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں، سو جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں، اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

اسلام آسان ہے، اس میں کسی قسم کی تنگی وسختی اور تکلیف مالا یطاق (نا قابل برداشت تکلیف) نہیں، ہر شخص اپنی ہمت اور وسعت کے بقدر اس پر عمل پیرا ہو سکتا ہے یا یوں کہئے کہ دین ہر ایک کے بس کی بات ہے، اپاہج و بیمار، غنی و نادار، حاکم و محکوم، سرمایہ دار و مزدور، زمیندار و کسان، عورت و مرد، بوڑھا و بچہ، ہر طبقہ و ہر فرد، ہر حال و وقت اس پر عمل پیرا ہو سکتا ہے کہ دین کے احکام ہر شخص کی گنجائش و وسعت کے مطابق ہی آئے ہیں، یہی وہ رحمت ہے جس کا نام و نشان شاید ہی کسی دوسرے مذہب میں ملتا ہو۔ قرآن کریم نے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی سہولتوں کا تذکرہ مختلف مقامات پر کیا ہے۔ نموناً چند پیش کرتا ہوں:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:۲۸۶)

''خدا کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ کی تکلیف (حکم) نہیں دیتا''

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا (الطلاق:۷)

''خدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے''

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرہ:۱۸۵)

''اور رتمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں''

وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج:۷۸)

''اور تمہارے لئے دین میں اس نے (خدا نے) تنگی نہیں کی''

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان هذا الدین یسر ولن یشاد الدین احد الاغلبه. (جمع الفوائد ص:۳۴، جلد ا، بحوالہ بخاری)

''یہ دین آسان ہے، جو کوئی شخص دین سے سختی میں مقابلہ کرے گا تو دین اس کو مغلوب کر دے گا''

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

ایها الناس خذوا من الاعمال ما تطیقون فان اللّٰہ لا یمل حتیٰ تملوا و ان احب الاعمال الی اللّٰہ مادام و ان قَلّ. (جمع الفوائد ص:۳۴، جلد ا، بحوالہ بخاری ونسائی وترمذی وابن ماجہ)

''اے لوگو اتنا ہی عمل کرو جتنا برداشت کرسکو کیونکہ جب تک تم نہ اکتا جاؤ خدا نہیں اکتاتا۔ خدا کے نزدیک سب سے پسندیدہ وہی عمل ہے، جو دائمی ہو گو تھوڑا ہو''

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

لا تشددوا علی انفسکم فانما هلک من کان قبلکم بتشدیدهم علی انفسهم.

(جمع الفوائد ص:۳۵، جلد ا)

''اپنے نفسوں پر (دین کے بارے میں) سختی نہ کرو کہ تم سے پہلے لوگ اپنے اپنے نفسوں پر سختی کی وجہ سے ہلاک ہوئے''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

انما بعثت بالملة السمحة او السهلة الحنیفه البیضاء. (مسند ابن حنبل ص:۲۶۶، جلد ۵)

''میں تو سہل اور آسان روشن حنفی دین دے کر بھیجا گیا ہوں''

دین کی یہ سہولت اور میانہ روی جملہ عبادات ومعاملات، اخلاق ومعاشرت، انفرادی واجتماعی اعمال میں ساری وطاری ہے۔ جس کی تفصیل کی قلتِ وقت کی وجہ سے گنجائش نہیں۔

'رحمت محمدیہ' کا پرتو اس نظام ومعاشیات میں بھی نمایاں ہے جو آپ ﷺ نے پیش فرمایا۔ جس میں سرمایہ دارنہ ظلم نہیں، مالی رقابت (مخالفت) کی بنا پر طبقاتی کشمکش نہیں، بلکہ ہر طبقۂ انسانی دوسرے طبقہ کا ہمدرد وغمگسار، معاون ومددگار، خیر خواہ وخدمت گار اور بھائی بھائی بن کر زندگی گزارنے والا ہے۔ اسی طرح جو قانون اور نظام، نظامِ عدل دیا گیا، وہ ساری انسانیت کے لئے رحمت وفلاح وبہبود کا الٰہی

دستور ہے، جس میں کسی خاص طبقے، گروہ، جماعت یا فرد کے لئے ظالمانہ مراعات وتحفظات کا کوئی چور دروازہ نہیں بلکہ اس میں ہر ایک کے حقوق کی حفاظت، اس کے دارین کی ترقی کا انتظام ہے، جس میں نہ کسی پر ظلم ہے اور نہ کسی کو ظلم کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث قدسی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یا عبادی حرمت الظلم علیٰ نفسی و جعلته محرماً فلا تظالموا. (صحیح مسلم)

''اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور اس کو تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے۔ تو تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو''

عدل میں اپنے پرائے، دوست ودشمن، شاہ وگدا کا امتیاز روا نہیں رکھا گیا، بلکہ ہر ایک کے لئے عدل کا ترازو برابر ہے۔ قرآن بار بار گویا ہے:

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (شوریٰ:۱۵)

''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں''

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدۃ:۸)

''اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو، کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے''

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (الانعام:۱۵۲)

''اور جب بات کہو پس انصاف کرو، گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو''

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت پر ایک بڑا کرم یہ کیا کہ ملکوں، قوموں اور قبائل میں بٹی ہوئی انسانیت کو ''وحدت آدمیت'' کا سبق دیا، اور رنگ ونسل، وطن وقوم، امیر وغریب، سرمایہ دار و مزدور، زمیندار وکسان اور دیگر انسانی عصبیتوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی انسانیت کو اخوت کا ایسا پیغام دیا کہ جس کو اپنا لینے کے بعد دنیا امن وچین، محبت والفت، مواسات وہمدردی کا گہوارہ بن جاتی ہے، اور علاقائی اور ملکی یا عالمگیری جنگیں ہوں یا طبقاتی جھگڑے، سب ختم ہو جاتے ہیں۔ اس ترقی یافتہ دور میں بھی

اقوامِ متحدہ اقوام کے اتحاد کا نشان نہیں ہے بلکہ انسانیت کے قوموں میں بٹے ہونے کا تذکرہ کررہی ہے، لیکن وحدتِ انسانی کا نظریہ، رحمتِ محمدیہ کا وہ عطیہ ہے جس سے پوری نسلِ انسانی جسدِ واحد بن جاتی ہے اور حسد و منافست (ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش)، تنافر و غضب کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں۔

قرآن کریم نے ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا.

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. (الحجرات:۱۳)

''اے انسانو! تحقیق ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے، اور ہم نے تم کو (مختلف) قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو''

دوسری جگہ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (النّسآء:۱)

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا، اور اس سے اس کا جوڑ پیدا کیا، اور ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ (یعنی نسلِ انسانی اسی ایک جوڑے سے وجود میں آئی)''

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنّ اَولَی الناس بی المتقون من کانوا و حیث کانوا۔ (کنز العمال)

''مجھ سے قریب وہ لوگ ہیں، جو متقی ہوں، جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں (یعنی جنس و وطن و مقام کی قید نہیں)''

حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا:

ایھا الناس الا ان ربکم واحد و ان اباکم واحد، الا لا فضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی

علی عربی ولا لاحمر علیٰ اسود ولا لِاَسود علیٰ احمر الا بالتقویٰ. (مسند احمد)

''لوگو! ہاں بیشک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے''

اخوت عامہ کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولاتدابروا وکونوا عباد اللّٰہ اخوانا.

(بخاری وجمع الفوائد ص:۳۹۵، جلد۲، بحوالہ صحاح)

''آپس میں ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو۔ اور سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ''

یگانگت و بھائی چارے کا یہ پیام صرف رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوا، جن کا کام ہی یہ تھا۔ ؎

تو برائے وصل کردن آمدی

نے برائے فصل کردن آمدی

(آپ ملانے کے لئے تشریف لائے

......آپ جدا کرنے کیلئے نہیں آئے)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ایک ابرِ رحمت تھا، جو پیہم موسلا دھار بارش کی طرح برستا رہا، گلزار وخار، دوست و دشمن اس افادۂ رحمت میں برابر کے شریک تھے۔ آپ ﷺ ہدایتِ ربانی کے سب سے بڑے مبلّغ اور توحید الٰہی کے داعئ اکبر ہیں، سب جانتے ہیں کہ تبلیغ پھولوں کی سیج نہیں اور کسی آبلہ پا کا اس سے سلامت گزر جانا آسان نہیں، لیکن رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم باوجود ہر قسم کی اذیت وتکلیف سہنے کے سراپا لطف ورحمت، نرمی وملاطفت وعفوودرگذر تھے۔ قرآن کریم نے گواہی دی۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

(آل عمران: ۱۵۹)

''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب آپ ﷺ ان کے واسطے نرم ہوئے، اور آپ ﷺ اگر تند خو

اور سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ ﷺ کے پاس سے منتشر ہو جاتے''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ (بخاری، کتاب الآداب)

یہی سبب ہے کہ زہرِ ہلاہل کھلا دینے والی یہودیہ کو درگذر فرما دیا۔ قریش مکہ نے وہ کون سا ظلم، کون سی تکلیف تھی جو نہ پہنچائی ہو؟ کون سی اذیت تھی جس سے دریغ کیا ہو؟

مکہ کی زندگی میں شعب ابی طالب کی المناک محصوری، پتھروں کی بارش، کانٹوں کا بچھایا جانا، فرق اقدس پر (العیاذ اللہ) خاک وگندگی تک ڈال دینا، سجدہ کی حالت میں اونٹ کی بچہ دانی اور اوجھ کو سر پر ڈال دینا، ہر قسم کی ملاحیاں (گالیاں)، غرض وہ کیا ستم نہیں تھا جو یہ ظالم ایجاد نہ کرتے ہوں، اپنا مولد و منشاء اور اللہ تعالیٰ کا محبوب گھر ان کی وجہ سے چھوڑنا پڑا، اور ہجرت کے بعد بھی ایک دن چین کا سانس نہ لینے دیا گیا، لیکن واہ ری رأفت ورحمت (شاباش ہے آپ کی نرمی اور مہربانی کو) جب کو کبۂ نبوت (آپ ﷺ کی سواری) اپنے پورے جلال وعظمت کے ساتھ فتح مکہ کے دن حرم میں داخل ہوتا ہے تو خون کے پیاسوں کو یہ کہہ کر درگذر کر دیا جاتا ہے:

لاتثریب علیکم الیوم، یغفر اللہ لکم و ھو ارحم الراحمین. (الکنز، ص:۲۹۲، ج:۲)

''آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف فرمائے،

وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے''

اذھبوا انتم الطلقاء.

''جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو'' (حیاۃ الصحابۃ، ص:۱۵۴، ج:۱)

سفر طائف کا دن رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا شدائد کے لحاظ سے سخت ترین دن تھا، غیرتِ حق جوش میں آ کر اہلِ طائف کو ان کی گستاخی پر پہاڑوں کی چکّی میں پیس دینا چاہتی تھی، لیکن رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تکلیف کو بھول جاتے ہیں، اہلِ طائف کو ہلاکت سے یہ کہہ کر بچا دیتے ہیں:

بل ارجوا ان یخرج اللہ عزوجل من اصلابھم من یعبد اللہ عزوجل وحدہ لا یشرک بہ شیئاً (بخاری، ص:۴۵۸، ج:۱، ومسلم وغیرہ)

”(میں ان کی ہلاکت نہیں چاہتا) بلکہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا فرمائے جو ایک اللہ عزوجل کی عبادت کرنے والے ہوں اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں“

اُحد میں خون میں نہا کر دانت شہید، زبان مبارک سے صرف یہی کلمات نکلے:

اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون.

”اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ نہیں جانتے کہ میں کون ہوں“

ایک دفعہ چند لوگوں نے کفار کے ظلم سے تنگ آکر درخواست کی کہ ان کے حق میں بددعا فرما دیجئے، جواباً فرمایا: ”میں دنیا میں لعنت نہیں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں“۔ (مشکوٰۃ کتاب الاخلاص)

غرض ہر حال میں رأفت و رحمت کا دریا بہتا رہا، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا، امت کی ہدایت کے لئے فراط و شفقت و رحمت میں گھلتے رہے، دائم الاحزان ہونا (ہمیشہ غم گین ہونا) آپ ﷺ کی صفت بن گئی۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کو کہ جس نے مبعوث فرمایا تھا، بار بار اس اندوہ وغم سے چھٹکارا دلانے کے لئے کہنا پڑا:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِہِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا (الکھف:۶)

”سوشاید آپ ﷺ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس بات (قرآن) پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے دیں گے۔(یعنی اتنا غم نہ کریں کہ آپ ﷺ کی جان پر بن جائے)“

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ (الشعرآء:۳)

”شاید آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے پر رنج کرتے کرتے اپنی جان دے دیں گے“

وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَیۡہِمۡ (النحل:۱۲۷)

”ان پر غم نہ کیجئے“

یہ غم آپ ﷺ کا کفار کے لئے تھا، پھر مسلمانوں پر شفقت کا کیا عالم ہوگا! امت کے غم میں راتوں کو روتے روتے ہچکی بندھ جاتی، اُبلتی ہوئی ہنڈیاں کی طرح ہلکنے کی آواز آتی۔

ایک یہودی کا بچہ مسلمان ہوا، تو آپ ﷺ خوشی سے بے اختیار پکار اٹھے:

الحمدللّٰہ الذی انقذبی نسمة من النار.

''سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے میرے ذریعے ایک جان کو جہنم کی آگ سے آزادی دی''

ایک چور کا ہاتھ کٹتا ہے رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔ (مستدرک حاکم ص:۳۸۳، ج:۲) (بعض کا قول ہے کہ رو پڑتے ہیں) قربان جایئے رحمت کا کیا ٹھکانہ ہے!

رحمت للعلمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا تذکرہ و احاطہ کسی شخص کی بساط نہیں، چند باتیں نمونۃً اس تھوڑے وقت میں پیش کر دی گئیں۔ سلام ہو اس رحمت مجسّم پر اور درود ہو اس آیۂ رأفت و شفقت پر جو آیا، اور اپنی رحمت سے کونین کو پُر بہار بنا گیا۔

اپنی بات کو اقبال سہیل کے چند اشعار پر ختم کرتا ہوں۔

خلقِ خدا کا راعی آخر، دینِ ہدیٰ کا داعی آخر
جس کی دعوت اَسلِم تَسلِم صلی اللہ علیہ وسلم

ارض و سماء میں آیۂ رحمت، روزِ جزا میں سایۂ رحمت
اس کی لِوائے حمد کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے، گالی دی، پتھر برسائے
اس پر چھڑکی پیار کی شبنم، صلی اللہ علیہ وسلم

سم کے عوض داروئے شفا دی، طعن سنے اور نیک دعا دی
زخم سہے اور بخشا مرہم، صلی اللہ علیہ وسلم

(لوائے حمد: حمد کا جھنڈا، سم: زہر)

اللّٰھم صلی وسلّم و بارک علی سیدنا و مولانا محمد امام الخیر و قائد الخیر و رسول الرحمۃ و اٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

اعلان

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاء اللہ ۷ افروری بروز ہفتہ خانقاہ اشرفیہ عزیزیہ پشاور میں منعقد ہوگا۔ عشاء ۷:۳۰ پر ادا کی جائے گی۔ بیان نمازِ عشاء کے بعد ہوگا۔

ملفوظاتِ شیخ ۔ ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۹۲)

(ظہورالٰہی فاروقی صاحب، پشاور یونیورسٹی)

مقصد والی بات میں آدمی چل رہا ہو تو آدمی کو تکلیف محسوس نہیں ہوتی:

فرمایا کہ ایک ساتھی ملنے کیلئے آیا تو اس نے کہا: ''جب جماعت میں چلا جاؤں تو تہجد کے لیے بھی اٹھتا ہوں، باقی نمازوں کی بھی باقاعدگی اور پابندی ہو جاتی ہے، ذکر کی بھی توفیق مل جاتی ہے اور پابندی ہو جاتی ہے لیکن جب میں گھر واپس آجاتا ہوں تو پھر اُٹھ نہیں سکتا، ذکر بھی نہیں ہوتا اور ذکر میں دل بھی نہیں لگتا۔'' روحانی بیماری کی تشخیص کرنی ہوتی ہے، اس کی وجوہات ہوتی ہیں، میں نے اس سے کہا کہ آپ کو تو جماعت میں آرام کا کافی وقت ملتا ہے، صبح ناشتے کے بعد سونا، دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد سونا اور رات کو سونا، فارغ ہو کر آدمی جونہی لیٹتا ہے آدمی کو نیند آجاتی ہے، آدمی کو بڑا آرام ملتا ہے، گھر پر وہ آرام نہیں ملتا ہوگا، اسلئے آپ اٹھ نہیں سکتے اور آپ کو تھکاوٹ ہوتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں جی! جماعت میں تو میں دن کو نہیں سوتا، صرف رات ہی کو سوتا ہوں۔ میں نے کہا اچھا! پھر دوسری بات پوچھی کہ آپ ٹیلی وژن دیکھتے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ نہیں دیکھتا۔ عام طور پر لوگ خبریں سننے کو ٹیلی وژن دیکھنا نہیں کہا کرتے، اس لیے اس کو علیحدہ پوچھا کہ خبریں سنا کرتے ہو؟ کہا کہ نہیں جی خبریں بھی نہیں سنتا، تو دوسرے سوال کا بھی جواب ہو گیا۔ تیسرا سوال پوچھا کہ آپ کس کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے ہیں، آپ کا زیادہ وقت کہاں لگتا ہے اور آپ کا بیٹھنا اٹھنا کن لوگوں کیساتھ ہوتا ہے؟ اگر آدمی غافل لوگوں کے پاس بیٹھتا ہے اور غفلت کی باتیں کرتا ہے، ان کو سنتا ہے اور فضول اور لایعنی بولتا رہتا ہے تو اس سے باطن میں غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ اس نے کہا کہ میں بیٹھتا اٹھتا بھی کسی کے پاس نہیں ہوں اور گھر پر ہی ہوتا ہوں اپنے بال بچوں، بہن بھائی کے ساتھ۔ تو ظاہراً ہماری جو تشخیص ہوتی ہے اس میں کوئی سبب معلوم نہ ہوا۔

اس کے بعد اس نے کہا کہ دراصل دفتر میں بڑی ٹینشن (یعنی ذہنی و اعصابی تناؤ) رہتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ دفتر میں ٹینشن کیوں رہتی ہے؟ وہاں پر آپ کو تکلیف و اضطراب (Tension) کا حال

کیوں رہتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ اصل میں میں کامرہ میں ہوں اور وہاں جو چیزیں فیکٹری تیار کررہی ہے اس کو ISO 9001 کے معیار پر تیار کرنا ہوتا ہے۔ آجکل لوگوں کی یہ عادت ہے اور ہمارے ڈاکٹروں کی بھی کہ مخفف الفاظ بول کر بات کرتے ہیں یعنی Abbreviation میں بات کرتے ہیں جبکہ ہمارے زمانے میں مخفف الفاظ کا استعمال بہت ہی کم تھا۔ اسلئے میں بورڈ پر بھی اگر لفظ لکھتا ہوں تو پورا لکھتا ہوں۔ میں نے کہا کہ اچھا پہلے تو مجھے آپ یہ سمجھائیں کہ یہ ISO 9001 کیا چیز ہے۔ اس نے کہا کہ یہودیوں نے ایک بات کی ہوئی ہے کہ جو چیز جہاں بھی پیدا ہوتی ہو اس کو ''عالمی اِدارہ برائے معیار'' (International Standards Organization) پر پیش کیا جائیگا، اگر اس پر پورا اترے گا تو تب اس کی Export یعنی برآمد کی اجازت دی جائیگی۔ ہماری معلومات میں نئی بات آئی کہ ہم جو چیز بھی بنائیں جب تک امریکہ اس کو پاس نہیں کریگا ہم نہیں بیچ سکتے۔

آپ کا کتنا آلو اُگا، کتنی گندم اُگی، اس سب کا ڈیٹا (Data) ان کے پاس جاتا ہے۔ Statistical Beureau زراعت کا شعبہ ہے، اعداد و شمار والا شعبہ محکمۂ زراعت یہ دیکھتا ہے کہ کتنا آلو پیدا ہوا ہے اور کتنا ہم نے بھیجنا تھا۔ ان کو کس نے کہا کہ آلو کاشت کریں؟ یہ تو ہماری مارکیٹ تھی۔ ایک دفعہ اس طرح ہوا ہے کہ فصل کے موقع پر پاکستان میں آلو اتنا سستا تھا کہ ہمارے علاقے کے زمینداروں اور کسانوں نے حساب کیا تو اس کو کھود کر زمین سے نکالنے کا اتنا خرچہ تھا کہ اتنی آلو کی قیمت نہیں تھی۔ علاقے میں انھوں نے اعلان کیا کہ جس آدمی کو ضرورت ہو خود کھود کر نکال لے تاکہ جلدی سے ہمارا کھیت اگلی فصل کے لیے فارغ ہو۔ کرتے بھی کیا کہ دو روپے کلو ہو گیا تھا آلو۔ جب تین مہینے گزرے اور جس غریب مزدور بیچارے نے کاشت کیا تھا ان کے کھیتوں سے نکل گیا تو دس روپے فی کلو ہو گیا۔ یعنی سَٹے باز اور سٹاک ایکسچینج والے اور ان کے عالمی ادارے اس طرح کا طریقۂ کار کرتے ہیں۔

خیر جب اس شخص نے یہ بات کہی کہ ٹینشن زیادہ رہتی ہے تو اس کی تشخیص قلب پر وارد ہوگئی۔ میں نے اس سے کہا کہ جس وقت آپ لوگ جماعت میں آتے جاتے ہیں تو تقریر کرنا، تشکیل کرنا، اس کو عموماً مقصد سمجھتے ہیں اور آپ میں سے جو لوگ زیادہ آگے بڑھ جاتے ہیں وہ نوافل اور ذکر اذکار کو بھی

مقصد نہیں سمجھتے، ان کے ادا کرنے میں بھی ذرا بوجھ محسوس ہوتا ہے کہ اصل کام نہیں کررہے۔ اور دنیا کے کاموں کو تو بالکل ہی لایعنی سمجھتے ہیں بلکہ یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ میں نے اس کام کے بدلے میں پیسے لیے ہوئے ہیں اور اس کام میں نے دیانتداری کے ساتھ حکومت کو بدلہ دینا ہے، یا ان لوگوں کو جن سے میں نے پیسے لئے ہیں، اور یہ میری ضروری عبادات میں سے عبادت ہے، اس میں کمی آئی تو ایسے ہی کمی آئی جیسے کہ نماز میں کمی آئی۔ تو یہ بھی ایک وجہ ہوا کرتی ہے کہ وہ چیز جس کو آدمی مقصد نہ سمجھ رہا ہو اور اسے اپنے لیے ضروری نہ سمجھ رہا ہو، عبادت نہ سمجھ رہا ہو، اس کو کرنے میں آدمی کو ٹینشن ہوتی ہے۔

حضرت مولانا الیاسؒ کا واقعہ ہے کہ ان کو کسی کام کے لیے کوئی آدمی لے گیا تو حضرت نے فرمایا کہ بڑی گرمی ہے شامت ہوگئی، تو وہ آدمی جو کہ کوئی قریبی رشتہ دار تھا، اس نے کہا کہ تبلیغ میں پھرتے رہتے ہو اور وہاں کوئی گرمی نہیں لگتی لیکن آج گرمی لگ رہی ہے۔ مولانا صاحبؒ نے جواب دیا کہ اس وقت تو احساس ہی نہیں ہوتا کہ گرمی ہے۔ مطلب یہ کہ مقصد والی بات میں آدمی چل رہا ہو تو آدمی کو تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

سب سے زیادہ اجر وثواب والا عمل:

فرمایا کہ سب سے زیادہ ثواب اپنے بال بچوں کے ضروری نان نفقہ (خرچ، خوراک) کا ہے، تعیش نہیں بلکہ صرف ضرورت وسہولت۔ زندگی کے تین درجے ہیں... ضرورت، سہولت اور تعیش۔ ضرورت ضرر سے ہے، اس کو نہ پورا کرنے سے آدمی کو ضرر ہوتا ہے، تکلیف ہوتی ہے، نقصان ہوتا ہے۔ سہولت یہ ہے کہ آدمی کی ضرورت آسانی سے پوری ہوگئی، تکلیف نہیں ہورہی، اور تعیش یہ ہے کہ ایسی چیز میں آدمی پڑ گیا کہ جس کا اس کو کوئی فائدہ نہیں ہے اور خواہ مخواہ وسائل ضائع کررہا ہے۔ آپ ضرورت و سہولت کے لیے اپنے بال بچوں کو جو نفقہ دیتے ہیں سب سے زیادہ ثواب، اخراجات میں سے اس کا ہے۔ احیاء العلوم میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول لکھا ہوا ہے کہ جس وقت میں گھر والوں کے لیے سودا وغیرہ خریدنے بازار میں گیا ہوا ہوتا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ میری موت اس وقت آئے کیونکہ اتنے فضیلت والے عمل میں موت بہت اچھی حالت کی موت ہے۔ کبھی آپ نے نیت کی اس نیکی کو حاصل

کرنے کی جب سودا لینے جا رہے ہو جس کا اتنا اجر وثواب ہے؟

اسلام ایسی تسلیم کا نام ہے جس پر زبان اقرار کر کے اعلان کر دے تا کہ معاشرہ میں آدمی کے مسلمان ہونے کا اظہار ہو جائے:

فرمایا کہ ایک دفعہ آرمی میڈیکل کالج میں بیان کرنے کے لئے میں گیا تو بتایا گیا کہ جنرل اسلم بیگ کا بھانجا ہے، وہ آپ سے تنہائی میں ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ جب الگ کمرے میں اکیلے بیٹھے تو اس نے کہا: سر! میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میں کافر ہو گیا ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ کو ماننے میں مجھے بہت مشکل پیش آ رہی ہے۔ اس کی یہ بات سن کر میں ہنسا۔ یہ دیکھ کر اسے بہت عجیب محسوس ہوا کہ یا اللہ! میں کتنا پریشان ہوں اور یہ آدمی آگے سے ہنس رہا ہے۔ پھر اس نے مزید بیان کیا کہ مجھے ایسے وسوسے آتے ہیں کہ اللہ ہے بھی یا نہیں، میں مانوں یا نہ مانوں، مانوں تو کیسے مانوں؟ میں نے اس سے پوچھا: برخوردار! آپ نماز پڑھتے ہیں؟ اس نے کہا: ہاں نماز تو پڑھتا ہوں۔ یہ سن کر میں نے جواب دیا: آپ کو مبارک ہو! بس ہو گئی بات! تو وہ بیچارہ اور حیران ہوا کہ میں نے کیا کہہ دیا اور یہ کہتا ہے کہ مبارک ہو۔ اس میں مبارک باد کی یہ بات تھی کہ ایسے وسوسے اس آدمی کو آتے ہیں جس کے دل میں ایمان کی دولت ہو، کیونکہ چور وہیں پر جاتا ہے جہاں پر مال ہو، جہاں پر مال نہ ہو، چور نے وہاں پر جا کر کیا کرنا۔ گویا اس قسم کے وسوسے اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے دل میں ایمان ہے۔

پھر میں نے اسے کہا کہ اسلام ایسی تسلیم کا نام ہے جس پر زبان اقرار کر کے اعلان کر دے، تا کہ معاشرہ میں آدمی کے مسلمان ہونے کا اظہار ہو جائے اور دل میں آدمی نے یہ ٹھانی ہوئی ہو کہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے، عقلی دلائل سے مطمئن ہوں یا نہ ہوں، میں تو بغیر دلائل کے ہی اس کو مان رہا ہوں، اس سے چمٹ رہا ہوں اور اس پر جان دینے کو تیار ہوں۔ چنانچہ جب نماز کا وقت ہو اور آدمی عقلی طور پر اٹھے اور نماز پڑھے تو بس یہ کافی ہے! یہی ایمان ہے، یہی اسلام ہے۔ فقط آپ کا زبان سے اقرار کر لینا اور دل سے مان لینا کافی ہے۔ اللہ کے حضور جنت کا واجب ہونا دل سے مان لینے پر ہے۔ زبان کا اقرار تو مسلمانوں کے لئے اس بات کے اعلان کے طور پر ہے کہ یہ آدمی مسلمان ہے۔ اس کے بعد کی ترقی زیادہ

سے زیادہ تقویٰ اور عمل پر منحصر ہے۔

تربیتی اعتکاف کا آغاز:

فرمایا کہ اعتکاف وہ مبارک عمل ہے جو ہر رمضان میں حضور اقدس ﷺ نے کیا، سوائے ایک رمضان کے جس میں جہادی سرگرمی کی وجہ سے نہ ہو سکا۔ اس کی قضاء آپ ﷺ نے زندگی کے آخری سال بیس دن کا اعتکاف کر کے پوری کی۔ ایک بار آپ ﷺ نے پورے مہینے کا اعتکاف بھی کیا۔

فضائل میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص رمضان میں آخری دس دن کا اعتکاف کرے اس کے لئے دو مقبول نفل حج اور دو مقبول نفل عمروں کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ نیز فرمایا کہ ایک دن کا اعتکاف آدمی کو جہنم سے تین خندق دور کر دیتا ہے جس کا فاصلہ زمین اور آسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے۔

تربیتی اعتکاف کا آغاز حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے کیا اور اس دورانئے کو تربیت کے لئے استعمال کر کے بھرپور دینی فوائد سے اپنے مریدوں اور متعلقین کو مالا مال کیا۔ چنانچہ ہندوستان، پاکستان، برطانیہ، جنوبی افریقہ میں ان کے ساتھ ہزاروں افراد نے اعتکاف کیا۔

تعلیمات درست ہوں اور جدوجہد درست ہو تو انسان کی شخصیت کی تعمیر ہو جاتی ہے:

فرمایا کہ ہر چیز جو بنتی ہے اس کے لئے دو باتیں ضروری ہوتی ہیں۔ ایک اس کی منصوبہ بندی (Planning) جو کہ الفاظ اور نقشوں کی شکل میں ذہن میں ہوتی ہے پھر کاغذ پر آتی ہے اور دوسرا عملی نمونہ۔ ہاتھ پیر کی جدوجہد ہو کر پھر چیز وجود میں آجاتی ہے گویا ہر چیز کے لئے ایک منصوبہ بندی اور دوسری جدوجہد، یہ دو باتیں ہیں۔ انسان کے بننے کے لئے بھی ایک منصوبہ بندی ہے جو کہ تعلیمات ہیں، ان تعلیمات کی روشنی میں پھر جدوجہد ہے۔ تعلیمات درست ہوں اور جدوجہد درست ہو تو اس سے انسان کی شخصیت کی تعمیر ہو جاتی ہے۔ پھر دنیا میں تبدیلی آتی ہے، جس کو سیاسی لوگ انقلاب انقلاب کہہ رہے ہوتے ہیں، معتدل قسم کے لوگ جسے تبدیلی کہتے ہیں اور فقراء لوگ جسے صلاح وفلاح کہتے ہیں۔ اصلاح درست ہونا اور فلاح یعنی کامیابی۔ بنے ہوئے انسان سے فلاح آتی ہے۔ اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے بننے کی منصوبہ بندی وحی کی شکل میں آسمان سے زمین کی طرف بھیجی ہے جس میں چار

کتابوں کی نشاندہی کی اور "صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَ مُوْسٰى" کے نام سے صحیفوں کا تذکرہ کر دیا گیا اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام آئے ہیں۔ بڑی کتابیں تو چار ہی آئی ہیں، اور پتہ نہیں کتنے صحیفے ان کے ساتھ آئے ہوں گے۔

حقیقتِ بیعت تو دل کا جھکاؤ ہے، کہ دل کہاں لگا ہے:

فرمایا کہ ایک آدمی بادی بندوق، جسے آپ ایئر گن کہتے ہیں، لئے ہوئے مزدوری کر رہا تھا۔ لوگوں سے پانچ پانچ روپے لے کر فائر کروا رہا تھا۔ دو فیتوں والا پولیس کا ایک سپاہی آیا جو شاید سب انسپکٹر تھا۔ اس نے بادی بندوق لی، ایک فائر کیا تو خطا، دوسرا کیا تو خطا، تیسرا کیا وہ بھی خطا۔ اس کے ساتھی نے کہا: خان دا سنگه چل دے؟ دیہاتی لوگ حوالدار کو مشر خان یعنی بڑا خان اور سب انسپکٹر کو کشر خان یعنی چھوٹا خان کہتے ہیں۔ ساتھی نے پوچھا کہ خان یہ کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا: پولیس کی خو پاتی شوے یمه خو په بینڈ باجه کی اومه۔ یعنی پولیس میں تو رہا لیکن بینڈ باجے میں تھا۔ ساری عمر ڈھول باجے بجائے، کبھی فائر نہیں کیا۔

عرض یہ ہے کہ انسان اعتکاف میں ہو اور ماحول میں ہو اور اتنی اچھی جگہ میں ہو اور کام میں دلچسپی نہ لے رہا ہو اور اپنے آپ کو حوالے نہ کرے تو اسکا اس سب انسپکٹر والا حال ہوتا ہے کہ ساری عمر پولیس میں گزارنے کے باوجود ڈز (فائر) نہیں کر سکتا تھا کیونکہ تھا بینڈ باجے والا، بینڈ باجا تو سیکھ لیا، پر پولیس کا اصل کام یعنی فائر نہیں سیکھ سکا۔ آپ کو بھی اللہ نے وقت دینے کی توفیق تو دے دی، اب آپ اپنے آپ کو حوالے کریں گے تب فائدہ ہوگا۔ ورنہ بیٹھے تو آپ یہاں ہیں اور موبائل پر آپ کا رابطہ کسی اور جگہ ہے لہٰذا عملی طور پر آپ اُس کی مجلس میں ہیں، آپ کا دل وہاں اٹکا ہوا ہے۔ لوگ بیعت تو ہو جاتے ہیں پر حقیقتِ بیعت کیا ہے؟ حقیقتِ بیعت یہ ہے کہ آپ کا دل کہاں لگا ہوا ہے۔ ہاتھ میں ہاتھ دے کر الفاظ ادا کرنا کہ فلاں کے ہاتھ پر بیعت ہوتا ہوں فلاں کے واسطے سے، یہ حقیقتِ بیعت نہیں ہے بلکہ حقیقتِ بیعت تو دل کا جھکاؤ ہے کہ دل کہاں لگا ہے۔

جن جگہوں پر دین کا کام ہوا ہو، یا ہو رہا ہو، یا ہونے والا ہو، وہاں انوارات کا نزول

شروع ہو جاتا ہے: فرمایا کہ ایک دفعہ میں رائیونڈ میں حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا۔ آپ اس وقت رائیونڈ کے امیر تھے۔ بھائی عبدالوہاب صاحب اور بھائی مشتاق صاحب وغیرہ کو بزرگوں نے ان کی ماتحتی میں کام کرنے کے لئے بٹھایا ہوا تھا۔ ظاہر شاہ صاحبؒ بہت بزرگ شخصیت تھے۔ آپ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی خلیفہ تھے اور ہمارے حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی خلیفہ تھے۔ سادات خاندان سے بھی تھے، گہرے علم وتقویٰ والے اور زبردست فہم وفراست والی شخصیت تھے۔ ہم ان کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک طرف سے ڈھول کے بجنے کی آواز آنے لگی۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ کو آواز آئی؟ ہم نے کہا کہ جی۔ کہا کہ جانتے ہو یہ کیا آواز ہے؟ پھر فرمایا کہ یہ شاہ ابوالمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ہے۔ شاہ ابوالمعالی صاحبؒ لاہور میں دفن ہیں اور بہت اونچے درجات والے بزرگ ہیں۔ آپ ایک دفعہ شاہ دولہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے گجرات تشریف لے گئے۔ شاہ دولہؒ گجرات کے ایک بازار میں شیشوں والا چوک میں دفن ہیں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے براہِ راست خلیفہ ہیں۔ آپ ہندوستان میں قادریہ سلسلہ کے پہلے آدمی ہیں اور یہاں قادریہ سلسلہ آپ کے ذریعے سے پھیلا ہے۔ جب شاہ ابو المعالیؒ وہاں پہنچے ان سے ملاقات کے لئے تو شاہ دولہؒ وہاں موجود نہیں تھے۔ پتا چلا کہ وہ رائے پنڈ گئے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کی ایک قوم راجپوت ہے، ان کو رائے بھی کہتے ہیں۔ راجپوتوں میں ہندو بھی ہیں، مسلمان بھی ہیں اور سکھ بھی۔ تو رائے پنڈ کا مطلب راجپوتوں کا قصبہ ہوا۔ حضرت شاہ دولہؒ رائے پنڈ گئے ہوئے تھے۔ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ بھی ان سے ملاقات کے لئے گجرات سے رائے پنڈ روانہ ہو گئے۔ پہنچے تو دیکھا کہ اِک خالی بیابان علاقہ ہے اور یہ بزرگ وہاں بیٹھے مراقب ہیں۔ ان سے ملاقات ہوئی، پوچھا کہ آپ یہاں کس لئے تشریف لائے ہیں۔ شاہ دولہؒ نے فرمایا کہ یہاں تو بے انتہا انوارات کا نزول ہو رہا ہے اور میں ان انوارات سے استفادہ کے لئے یہاں مراقب ہونے آیا ہوں۔ مولانا ظاہر شاہ صاحبؒ نے بتایا کہ وہ یہی جگہ ہے جہاں ہمارا رائے ونڈ مرکز بنا ہوا ہے، زمانہ گزرنے کے ساتھ رائے پنڈ بدل کر راویونڈ ہو گیا، تو اتنا عرصہ پہلے سے یہاں انوارات کا نزول شروع ہو گیا تھا۔

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک بار دیوبند کے قصبے سے گزر رہے تھے۔اس کا پرانا نام دیوی بانا ہے جو کہ ہندوؤں کی کسی دیوی سے منسوب ہے۔اس وقت دیوی بانا کی یہ جگہ جہاں دیوبند کا مدرسہ بنا ہے کوڑا کرکٹ کا ایک ڈھیر تھا۔سید صاحب جب یہاں سے گزرے تو فرمایا کہ یہاں سے علم کی خوشبو آرہی ہے۔اس جگہ پر دارالعلوم دیوبند کی ابتدا ۱۸۶۷ء میں ہوئی ہے جب کہ ان کا گزر وہاں سے ۱۸۲۴ء یا شاید ۱۸۲۰ء میں ہوا ہے۔تو اتنا عرصہ پہلے فرمایا کہ اس ڈھیر سے علم کی خوشبو آرہی ہے۔

جن جگہوں پر دین کا کام ہوا ہو، یا ہو رہا ہو، یا ہونے والا ہو، وہاں انوارات کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔جن لوگوں کا قلب روشن ہو اور صاحبِ ادراک ہوں تو وہ ان انوارات کو محسوس کر لیتے ہیں۔

تصویر کے دو رخ

(امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، ستمبر ۱۹۵۱ء کراچی۔انتخاب: قاضی عنبرین طیب، پشاور)

''تصویر کا ایک رخ تو یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی میں یہ کمزوریاں اور عیوب تھے۔اس کے نقوش میں توازن نہ تھا، قد و قامت میں توازن نہ تھا، اخلاق کا جنازہ تھا، کریکٹر کی موت تھی، سچ کبھی نہ بولتا تھا، معاملات کا درست نہ تھا، بات کا پکا نہ تھا، بزدل اور ٹوڈی تھا، تحریر و تقریر ایسی ہے کہ پڑھ کر متلی ہونے لگتی ہے....لیکن میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اگر اس میں کوئی کمزوری نہ بھی ہوتی، وہ مجسمۂ حسن و جمال ہوتا، قویٰ میں تناسب ہوتا، چھاتی پینتالیس انچ کی، کمر ایسی کہ سی آئی ڈی کو بھی پتہ نہ چلتا، بہادر بھی ہوتا، مردِ میدان ہوتا، کریکٹر کا آفتاب اور خاندان کا ماہتاب ہوتا، شاعر ہوتا، فردوسیِؔ وقت ہوتا، ابوالفضلؔ اس کا پانی بھرتا، خیامؔ اس کی چاکری کرتا، غالبؔ اس کا وظیفہ خوار ہوتا، انگریزی کا شیکسپئر اور اردو کا ابوالکلامؔ ہوتا پھر نبوت کا دعویٰ کرتا تو کیا ہم اسے نبی مان لیتے؟....میں تو کہتا ہوں کہ اگر علیؓ دعویٰ کرتے کہ جسے تلوار حق نے دی اور بیٹی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ بھی دعویٰ کرتے تو کیا بخاری انہیں نبی مان لیتا؟ نہیں اور ہرگز نہیں....!

میاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کائنات میں کوئی انسان ایسا نہیں جو تختِ نبوت پر سج سکے اور تاجِ امامت و رسالت جس کے سر پر ناز کرے۔''

"سفرِ حجازِ مقدس"

〈آخری قسط〉

.... میری زندگی کے یادگار دن ....

(جناب فہیم صاحب، انچارج شعبۂ نفسیات، سوات یونیورسٹی)

مکہ میں دوران قیام جن باتوں کو دیکھ کر افسوس ہوا ان میں سے چند قابل ذکر ہیں:

کھانے اور نقل وحمل کا انتظام بہت اعلیٰ تھا لیکن ہر جگہ لوگوں کی بے ترتیبی اور بدانتظامی سامنے آجاتی خاص کر پاکستانی، بنگلہ دیشی اور ہندوستانی۔ بسوں میں چڑھتے اور اُترتے وقت، اور کھانے کے اوقات میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔

پاکستانی ہوٹلوں، رہائش گاہوں میں کھانے کے ساتھ ایک مشہور یہودی کمپنی کا Distilled پانی مہیا کیا جاتا تھا۔ میں نے اس بات کو فوری محسوس کیا کہ کئی معیاری کمپنیوں کی موجودگی میں کیوں مسلمانوں کے پیسوں سے یہودی مصنوعات خریدی جارہی ہیں۔ میں نے Food Coordinator سمیت کئی منتظمین کو ای میلز کیں لیکن بے سود۔

بہت سارا بچا ہوا سالن اور روٹیاں ضائع کرکے کچرے میں پھینک دی جاتی تھیں، اس حوالہ سے ہم نے جگہ جگہ بات کی تو اتنا فرق آیا کہ کچرے میں جانے کی بجائے اس کو الگ سے رکھا جانے لگا۔

ہمارے بعض ساتھی مسلکی مسائل پر بحث مباحثہ شروع کرکے وقت ضائع کرتے۔ حالانکہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول ہے: ''اپنا چھوڑو نہیں اور دوسرے کا چھیڑو نہیں۔''

حرمین شرفین میں اکثر کو دیکھا کہ قرآن مجید کو زمین پر رکھ دیتے تھے۔ اس پر طبیعت سخت بگڑ جاتی تھی۔ اسی طرح قبلہ کی طرف پاؤں پھیلا کر لیٹ جاتے اور پھر آرام سے سو جاتے۔

موبائل فون اور انٹرنیٹ کا استعمال عام تھا۔ دوران طواف اور جگہ جگہ بیٹھ کر گھر والوں کے ساتھ باتیں جاری رہتیں۔ حتیٰ کہ ویڈیو کال میں خواتین کی شکلیں بھی سکرینوں پر دکھائی دیتیں۔

ایک موبائل نیٹ ورک کمپنی نے فخریہ دعویٰ کیا کہ ہم نے پہلی بار لوگوں کو سہولت دی کہ وہ

دورانِ حج اپنے پیاروں سے رابطہ میں رہیں اوران کو آگاہ کرتے رہیں۔

بعض کو دیکھا کہ نعوذ باللہ کعبہ کے بجائے مکہ کلاک ٹاور کے فضائل بیان کرتے رہتے اوراس کی رونقوں میں گم دکھائی دیتے۔

ہمارے ہاں عام مساجد میں لوگ آداب کا بہت خیال رکھتے ہیں۔درجہ بالا باتوں کا تصور ہی نہیں۔کوئی ایسی غلطی کرے تو تھپڑ لگا کر ٹھیک کرتے ہیں۔بندہ اس نتیجے پر پہنچا کہ حج اور دیگر عبادات کا اصل لطف تب حاصل کیا جا سکتا ہے جب تبلیغ میں عمومی اصلاح ہو اور پھر بالخصوص سلسلے کے مشائخ کے ساتھ تربیتی مراحل سے گزرا جائے۔

ایک عجیب بات یہ سامنے آئی کہ امامِ کعبہ برآمدے میں کھڑے ہوکر نمازِ باجماعت پڑھاتے، دلیل یہ پیش کی گئی کہ وہ رش کی وجہ سے کعبے کے پاس نہیں آتے۔سوال یہ پیدا ہوتا کہ جو لوگ مطاف میں امام سے آگے کھڑے ہوتے ہیں ان کی نمازوں کا کیا ہوگا؟

حرمین شریفین میں نماز جمعہ کی اذان زوال سے پہلے دی جاتی اور ننانوے (۹۹) فیصد لوگ سنتیں ظہر سے پہلے پڑھ لیتے تھے۔

زیارتِ مدینہ منورہ:

چار (۴) محرم عصر کو ہمارا مدینہ منورہ کا سفر شروع ہوا۔مغرب وعشاء راستے میں ادا کیں۔ تقریباً آدھی رات کو پہنچ گئے۔رات کے وقت آبادی تو نظر نہیں آرہی تھی البتہ عمارتوں کی روشنیاں دور دور سے نظر آرہی تھیں۔جیسے جیسے آگے بڑھتے رہے احساسات بدلتے رہے۔یا اللہ! یہ تو میں مبارک ترین جگہ پہنچ گیا۔یہاں کی تو مٹی بھی مبارک ہے۔اس مٹی کو چومنا چاہیے، بلکہ سر پر ڈالنا چاہیے، اس مٹی میں لڑھکنا چاہیے، قدرت اللہ شہاب کی طرح اس مٹی کو آنکھوں میں ڈالنا چاہیے۔

اَمَرُّ عَلَی الدِّیَارِ دِیَارِ الَیْلٰی اُقَبِلَ ذَالْجِدَارَ وَذَالْجِدَارَ

لیکن یہ صرف میرے خیالات ہی تھے۔میں بس کے اندر بیٹھا سوچوں کی دنیا میں گم سم تھا۔ لوگوں کی آوازیں کانوں میں پڑ رہی تھیں۔"یہ دیکھیں ہم مسجد قبا کے پاس سے گزر رہے ہیں"۔میری

زبان پر اس وقت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مسنون دعا جاری تھی۔

آئِبُوْنَ تآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ

تھوڑی دیر بعد آواز سنائی دی "وہ دیکھیں مسجد نبوی ﷺ کے مینار"...اللّٰہ اکبر کبیراً۔کیا شان وشوکت اور جلال و جمال تھا۔ ہماری بس احاطے کے پاس سے گزرتے ہوئے قریب ہی ایک عالی شان ہوٹل کے سامنے رکی۔ پھر سے "میرا سامان، میرا سامان" کی صدائیں آنے لگیں۔کمروں کی تقسیم شروع ہوئی۔ رہائش کا انتظام زم زم ہوٹل میں تھا جو تمام تر سہولیات سے آراستہ تھا۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال آرہا تھا کہ یہ سب انتظام براہ راست دربار نبوی ﷺ سے ہو رہا ہے تاکہ مہمانوں کا خیال رکھا جائے جس طرح آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی۔

لوگ مسجد اور روضہ شریف پر جانے لگے لیکن مجھے ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ میں بالکل بت بنا تھا۔سخت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔نماز فجر سے پہلے مسجد پہنچا اور سورج چڑھنے تک اسی جگہ بیٹھا رہا جہاں سے گنبد خضراء نظر آتا ہے۔گنبد ہی کو دیکھتا رہا۔میرے ساتھی پھر سلام کیلئے جانے لگے لیکن مجھے ہمت نہ ہو سکی۔

شام کو اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور میں روضہ رسول ﷺ پر سلام کہنے پہنچا۔اس حال میں کہ میں گردو پیش سے بے خبر تھا۔ اس روز کے بعد روزانہ کئی بار حاضری ہوتی رہی اور اپنی طرف سے، حضرت جی کی طرف سے، رشتہ داروں اور اساتذۂ کرام کی طرف سلام پیش کرتا رہا۔

لوگوں کے ہاتھوں میں موبائل فون دیکھ کر سخت دکھ ہوا۔ اتنا عظیم الشان دربار جس میں حاضر ہو کر شاہوں کے سر جھک جاتے ہیں اور یہ ناسمجھ لوگ تصویریں اور ویڈیوز بناتے ہیں۔حتیٰ کہ روضہ شریف کی طرف پیٹھ کرکے تصویر اتار لیتے ہیں۔غالباً تاریخ میں پہلی بار اتنی بڑی بے ادبی اس دور میں ہو رہی ہے۔بغیر ٹوپی پہنے اور غیر اسلامی لباس میں حاضر ہو جاتے ہیں۔

ادب گاہ است زیر آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید مسیحاؑ و کلیمؑ ایں جا

جمعرات کو ہم میدانِ بدر حاضر ہوئے۔ مسجد عریش جہاں پر آپ ﷺ کا خیمہ لگا تھا اور پوری رات آپ ﷺ نے دعائیں مانگی تھیں، ادھر نوافل ادا کر کے شہدائے بدر کے لئے فاتحہ پڑھی۔ اسلام کے عروج اور شہادت کی موت کیلئے دعائیں مانگیں۔ یا اللہ! ہمیں ان کی طرح کا جذبہ عطا فرما۔

جبل ملائکہ جو ریت کا پہاڑ ہے (یہ وہ جگہ ہے جہاں بدر کی جنگ میں ملائکہ نازل ہوئے) کو دیکھ کر اقبال کا شعر یاد آیا۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو

اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

بئیر روما اور بئیر شفا (حضور ﷺ کی یادگار دو کنویں) کو دیکھ کر ظہر کو واپس پہنچے۔ عصر کے بعد اُحد کی زیارت کیلئے چلے گئے کیونکہ جمعرات کو جانا مستحب ہے۔ اُحد کا پہاڑ سب پہاڑوں سے منفرد ہے اور بہت کشش والا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اُحد کا پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

ادھر ہم نے سید الشہداء حضرت حمزہؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ اور دوسرے شہداء کیلئے ایصال ثواب کیا۔ صحابہ کرامؓ اور خود آقائے دو جہاں ﷺ پر کتنے سخت حالات گزرے، اس کے مناظر تصور میں گھوم رہے تھے۔

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران گاہے گاہے مسجد قبا میں بھی نوافل پڑھنے جاتے۔ جنت البقیع میں بھی حاضری دی۔ دیگر مشہور مساجد کی زیارات سے بھی مستفید ہوئے۔ ۱۲ر محرم الحرام بروز پیر ہمارا وہاں آخری دن تھا۔ عشاء پڑھتے ہی ہماری چالیس نمازیں مسجد نبوی شریف میں پوری ہوئیں۔ الوداعی سلام پیش کیا اور بھاری قدموں کے ساتھ واپس ہوا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

روئے گل سیر نہ دیدم و بہار آخر شد

حج کے فوائد وثمرات:

بزرگوں سے اور خاص کر اپنے حضرت جی دامت برکاتہم سے سنا ہے کہ ہر عبادت کے انوارات الگ ہوتے ہیں، اور عبادات کا مزہ دنیا ہی میں حاصل کیا جا سکتا ہے کیونکہ آخرت میں تو عبادت ہے ہی نہیں۔ بندۂ گنہگار نے بھی حج کے انوارات کو منفرد پایا جس کی کیفیت بالکل مختلف ہوتی ہے۔ پرانے زمانے کے بزرگ پیدل حج کیا کرتے تھے بلکہ ہمارے اسلاف کے اکثر دینی اور علمی سفر پیدل ہوا کرتے تھے۔ بندہ کی خواہش تھی کہ کوئی ایسا موقع آئے کہ اسلاف کی پیروی میں پیدل چلوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خواہش حج جیسے مبارک موقع پر پوری فرمادی۔

نفسیات کا طالب علم ہونے کی حیثیت سے میں نے مشاہدہ کیا کہ کسی بھی آدمی کے چہرے پر غم اور حزن کی کیفیت نہیں ہے۔ گویا Stress-free ماحول ہے۔ کبھی کبھار تُو تُو ، میں میں ہو جاتی تھی لیکن وقتی بات ہوتی پھر سب کچھ بھول جاتے تھے۔

ہر کسی نے بار بار بتایا تھا کہ اپنے ساتھ مکہ مکرمہ سے آبِ زم زم جبکہ مدینہ منورہ سے کھجوریں لے کر آنی ہیں، باقی کچھ نہ لائیں تا کہ وزن اور بوجھ زیادہ نہ ہو۔ اسی لئے ہم آخری دنوں میں چیزوں کے وزن اور نرخوں ہی میں لگے رہے، اتنا کلو کم اور اتنا کلو زیادہ ہو گیا۔ ہوائی اڈے پر بھی یہی تذکرے چلتے رہے۔ افسوس کسی نے یہ نہیں بتایا کہ مکہ مکرمہ سے حُبِ الٰہی جبکہ مدینہ منورہ سے حُبِ رسول ﷺ لے کر آنی ہے جو سب سے قیمتی چیزیں ہیں اور وزن کوئی نہیں، اور آسانی سے دل کے اندر سما سکتی ہیں۔

وطن واپسی:

۱۳ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ بمطابق ۳/۱۰/اکتوبر ۲۰۱۷ء کو ہماری واپسی ہوئی۔ دوران پرواز ''ایئر بلیو'' جہاز والوں نے شیزان کمپنی کے جوس پلانا شروع کئے۔ میں نے اور قریب بیٹھے ایک اور آدمی نے اس بات کو فوراً محسوس کرتے ہوئے شکایت فارم منگوا کر تأثرات لکھ لئے کہ قادیانی جوس اور مصنوعات کا استعمال بند کیا جائے ورنہ ہم دوسرے طریقوں سے احتجاج کر سکتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۳۴ پر)

”لَا“ کی تلوار

(اقتباسِ خطاب سید الاحرار، امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ۱۶/شعبان ۱۳۷۱ھ بمطابق ۱۱/مئی ۱۹۵۲ء۔ انتخاب: رفاقت آرا قاضی، پشاور)

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعدِی.

ترجمہ: میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

”لَا“ نفی جنس کے لئے ہے۔ یہ فعل پر آجائے یا اسم پر، دونوں کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

لَا نَبِیَّ بَعدِی کا معنی یہ ہوگا کہ نہیں کوئی نبی میرے بعد۔ کیا یہ معنی ہوسکتا ہے کہ ظلی (سائے کی طرح)، بروزی (پیچھے آنے والا) نبی آسکتا ہے؟ تو پھر لا الٰہ الا اللّٰہ کا معنی بھی یہی ہوگا کہ ظلی بروزی خدا موجود ہیں۔ (نعوذ باللہ)

لَا شَرِیکَ لَہٗ نہیں کوئی شریک اُس کا۔ کیا اس کے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ اللہ کا (نعوذ باللہ) ظلی و بروزی کوئی شریک ہے؟

لَا حَولَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ نہیں ہے کوئی بس اور کوئی زور سوائے اللہ کے حکم کے۔

”لَا“، جس پر آجائے اس کا تخم مار دیتا ہے اور جہاں داخل ہوجائے سب کو ختم کر دیتا ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ... نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ۔

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ... یہ ہے وہ کتاب جس میں کسی قسم کا شک نہیں۔

”لا“ جب اِلٰہ پر آیا تو، اس نے اللہ کے سوا تمام آلھۂ باطلہ کو ختم کر دیا۔

یقیں دانم، دریں عالم کہ لا موجود الا ھو

”لا“ جب کتاب پر آیا تو قرآن مجید کے بارے میں تمام شکوک کی نفی کر دی۔

جب حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا نَبِیَّ بَعدِی... نہیں کوئی نبی میرے بعد،

یعنی میرے بعد کسی زمانہ میں، کسی ملک میں، فی ای زمان و فی ای مکان نہ حقیقی نہ مجازی، نہ ظلی نہ بروزی، کوئی نبی اور رسول نہیں۔

"لا" نے تمام باطل نبیوں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا تو اس کے باوجود مرزا قادیانی کہے کہ "میں ظلی بروزی نبی" ہوں تو کیا اس کی یہ بات درست ہے؟

ظِلّ کا معنی ہے سایہ۔ مرزا کہتا ہے کہ "میں محمد رسول اللہ کا سایہ ہوں"۔ (نعوذ باللہ) ظِلّ ہو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اور طواف کرے ملکۂ برطانیہ کا...! "لعنت بر پدرِ افرنگ۔"

مسلمانو! مرزائیوں کے ساتھ بحث مباحثے مت کرو۔ ان سے صرف "لا" کا پوچھو۔

لام الف لا، بولنے میں دو حروف ہیں اور کہنے میں "لا"، جس پر بھی آ جائیں اس کا تخم ہی مار دیتے ہیں۔ تمہیں جہاں بھی رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت نہ ماننے والے ملیں تو ان سے لَا نَبِیَّ بَعدِی کا پوچھو۔ قادیانیوں، مرزائیوں کو بندوق سے نہیں "لا" کی تلوار سے مارو۔ "لا" کی تلوار لو اور میدان میں نکل آؤ۔

☆☆☆☆☆

(صفحہ ۳۲ سے آگے)

پاکستان آنے سے قبل میں نے صرف چچا کو آگاہ کیا تھا لیکن باہر آیا تو کئی ایک رشتہ دار استقبال کیلئے کھڑے تھے۔ مجھے یقین نہیں آیا۔ یہ سب کیا ہے۔ گھر پہنچا تو تمام رشتہ دار اکٹھی ہوئی تھیں۔ مجھے ہار پہنانے لگیں۔ میں خیالات میں گم ہو گیا۔ یا اللہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ میں نے کونسا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ کون سا تیر مار لیا ہے۔ بس ایک فریضہ ہی تو ادا کیا ہے۔ اصل تو آخرت ہے، کہ فرشتے یا تو پھولوں کے ہار کے ساتھ استقبال کریں گے یا زنجیروں کے طوق کے ساتھ۔ اصل استقبال تو آخرت کا ہے اور حقیقی کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ بس یہ ایک ہی حسرت دل میں بار بار اٹھتی ہے ؎

اک ہوک اٹھے میرے سینے سے، آئے پیغام مدینے سے
سرکار کرم کی بھیک ملے، میں سائل ہوں تو داتا ہے